Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

JOURNAL PROFILE

Noor-e-Tahqeeq is a quarterly, HEC "Y" Category research journal of Lahore Garrison University, publishing peer-reviewed studies in Urdu language and literature since 2017. It provides a credible platform for original research and contemporary criticism.

CONTACT

Dr Muhammad Haroon Qadir
Editor, Noor e Tahqeeq
Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore 0303-3330345

Email

lgunt@lgu.edu.pk

Website

https://ojs.lgu.edu.pk/nooretahqeeq

ISSUE DETAILS

Volume 10, No 02
April to June 2026
Page No: - 63-69

DOI

https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2026.100243

HISTORY OF THE PAPER

Received on: April 25, 2026
Accepted on: May 15, 2026
Published on: June 30, 2026

PUBLISHED BY

Department of Urdu,
Lahore Garrison University
DHA Phase 6, Sector C,
Avenue 4, Lahore

TITLE OF THE PAPER

A Critical Study of Zafarullah Poshni's Novelistic Art

ظفراللہ پوشنی کی ناول نگاری کا تنقیدی مطالعہ

AUTHOR

Yasin Jaffri
Assistant Professor
Pakistan International School, Doha, Qatar

ABSTRACT

Zafarullah Poshni is the last survivor of The Rawalpindi Conspiracy Case. He was imprisoned along with Faiz Ahmed Faiz, Sajjad Zaheer and others. Charged by the Liaqat Ali Khan regime of a conspiracy to overthrow the government and destabilize the country at the behest of left-leaning intellectuals and foreign powers. Zafarullah Poshni, Faiz Ahmed Faiz, Sajjad Zaheer and other fellow accused faced an uncertain future as the threat of death hung over their hapless heads. Eventually released in 1955 for want of evidence, the accused had walked away to build new lives. 50 years later, as Pakistan reels from coup to catastrophe, no one remembers the details of the so-called conspiracy. Zafarullah Poshni shares his memories of prison in his book "زندگی زنداں دلی کا نام ہے". Pakistan Academy of Letters awarded "Pas-i-Zindan award" to Zafarullah Poshni in 2010 for his literary historical and appreciate able work. Zafarullah poshni has also written a novel " دوڑتا چلا گیا". He proves his literary genius in this novel. This Paper is the critical study of Zafarullah Poshni's novel "Dorrta Chala Gaya"

KEY WORDS

Zafarullah Poshni, Prison Narrative, Conspiracy Case, Resistance Literature, Historical Fiction

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ظفر اللہ پوشنی کی ناول نگاری کا تنقیدی مطالعہ

کسی ادیب کی مجموعی وسعت، گہرائی اور رقبہ داری کو سمجھنے کے لیے ہمیں جہاں دوسرے پہلوؤں پر نظر رکھنی پڑتی ہے وہاں اس کے عہد اور ان حالات کا مطالعہ خاص طور پر کرنا پڑتا ہے جس میں اس کی شخصیت پروان چڑھی تھی۔ ادیب اپنے جن تجربوں کو ادب میں ڈھالتا ہے ان تجربوں کے وجود میں آنے اور ایک نئے قالب میں منتقل ہونے کے سارے عمل کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ادیب کی اپنی شخصیت کے ساتھ ساتھ خارجی دنیا میں ہونے والے واقعات جو اس کی ذات کے داخلی عناصر سے متصادم ہوتے ہیں اس کے تخلیقی اظہار میں غیر محسوس طریقے سے داخل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے ادیبوں اور شاعروں پر ان کے خارجی حالات کا اثر ہوتا ہے۔ میر نے اپنے خارجی ظلم و تشدد سے گھبرا کر داخلی دنیا میں سکون کی تلاش کی۔ ان کے عہد کی تلخیوں کا ذکر ان کی شاعری میں داخلی انداز میں ملتا ہے۔ ہر زمانے میں تخلیق کار معاشرے کا حساس ترین فرد رہا ہے۔ کیونکہ ارد گرد بسنے والی زندگی کے حالات و واقعات کو وہ عام شخص کی نسبت زیادہ شدت سے محسوس کرتا ہے۔ معاشرے کے دکھ، حسرتیں، شادمانیاں، رسوم و رواج، تہذیب و ثقافت اور طرز حیات کے ان مٹ نقوش ہم اس کے تخلیقی تخیل سے مرصع اس کی تخلیقات میں دیکھ سکتے ہیں۔ اسی لیے تو سچے ادب کی تخلیق کو ایک عہد کی سیاسی، سماجی و معاشرتی دستاویز قرار دیا جاتا ہے۔ اچھے اور سچے تخلیق کار کی شخصیت کے کئی پہلو ہوتے ہیں، ایک وہ جو ہم سب کے سامنے ہے اور دوسرا پہلو ایک فن کار کا ہے جو زندگی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا گہرا مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے اور اس کے علاوہ ایک پہلو اس کا تخیل یا وہ وژن ہے جو زندگی کے حوالے سے ہمیشہ اس کے اندر موجود رہتا ہے جنہیں وہ بے نقاب تو نہیں کرتا مگر مختلف واقعات، مناظر، کرداروں کے حوالے سے وہ اس وژن کے رخ پر سے نقاب سرکاتا رہتا ہے۔ تخلیق کار کا یہ رویہ مختلف اصناف ادب کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

اردو میں ملا وجہی کی سب رس کے بعد عطا حسین خان تحسین کی ”نوطرز مرصع“، میر امن کی ”باغ و بہار“، انشاء اللہ خان انشاء کی ”رانی کیتکی“، حیدر بخش حیدری کی ”آرائش محفل“، ”طوطا کہانی“، خلیل خان اشک کی ”داستان امیر حمزہ“، بہادر علی حسینی کی ”نثر بے نظیر“ جیسی داستانیں تصنیف ہوئیں۔ صنعتی انقلاب کے بعد بدلتے ہوئے حالات میں انسانی زندگی بسر کرنے کے اطوار بدلے۔ عام لوگوں میں شعور آیا اور قدیم رسوم و رواج سے بیزاری اور مغرب پرستی کا رجحان بڑھا۔ نئی ذہنی اور ادبی فضا سازگار ہوئی تو جدید تقاضوں نے پرانی روایت کو مسمار کر دیا اور نئی سماجی طاقتیں اور نظریات نمودار ہوئے۔ اس کے اثرات سے افسانوی ادب میں حقیقت اور صداقت پر مبنی اصلاح کی غرض سے ناول لکھے جانے لگے۔

انسانی زندگی واقعات، خواہشات، جذبات، نظریات، احساسات اور ولولوں کی خوبصورت دھنک ہے۔ ایک اچھا ناول نگار جب اس دھنک کے مسحور کن رنگوں کی کھوج میں تخیلاتی طور سے محو پرواز ہوتا ہے اور اپنی عقابی نظروں سے ہر رنگ کو فکر کی آنکھ سے دیکھتا ہے تو اسے ان حسین رنگوں کی خوبصورتی کے ساتھ ان میں مسائل کی کہکشائیں بھی نظر آتی ہیں۔ جن کی ماہیت کا ادراک اور ان کی تسخیر کا حوصلہ ایک

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ناول نگار کا موضوع بنتا ہے۔ وہ زندگی اور ادب کو ناول میں یوں سموتا ہے کہ ناول کا مطالعہ ہی زندگی کا بھرپور مطالعہ بن جاتا ہے۔ زندگی اور ادب کے لیے ڈاکٹر انور سدید کی رائے بڑی اہمیت کی حامل نظر آتی ہے:

"جس ادب سے ہمارا ذوق صحیح بیدار نہ ہو، روحانی اور ذہنی تسکین نہ ملے ہم میں قوت اور حرکت پیدا نہ ہو، ہمارا جذبہ حسن نہ جاگے جو ہم میں سچا ارادہ اور مشکلات پر فتح پانے کا سچا استقلال پیدا نہ کرے وہ آج ہمارے لیے بے کار ہے۔ ادب کو زندگی کے لیے مفید اور معاون اور جبر و استحصال کے خلاف صف آراء ہونا چاہیے، ادب کو سچائی، عقلی حقیقت اور انسانیت کا ترجمان اور اسلوب، ہیئت اور موضوع کے اعتبار سے تخلیقی جدت کا حامی ہونا چاہیے۔"(1)

ایک اچھے ناول میں ارتقائے زندگی اور اس کے مصائب و آلام، انسان کے خواب و خواہشات اور اس پہ نفسیاتی و سماجی جبر اور استحصالی قوتوں کے خلاف معرکہ آرائی کا رویہ ملتا ہے۔ سید عابد علی عابد ناول کے بارے میں ایک اہم نکتہ یوں بیان کرتے ہیں:

"انسانی زندگی کے ارتقاء کی ہی تصویر کشی جو افسانوی شکل میں ظاہر ہوتی ہے ناول کہلاتی ہے"۔(2)

ناول نگار فنکارانہ انداز میں زندگی کے مسائل پیش کرتا ہے، ناول حقیقی زندگی کا ترجمان ہوتا ہے، اس میں فطرت انسانی سے متعلق معلومات ملتی ہیں۔ یوں ناول کا موضوع انسان اور اس کے مسائل ہی ہیں۔ اردو میں ناول کو ایک خاص اہم مقام حاصل ہے۔ ناول ادب برائے زندگی کی ترجمانی کرتا ہے۔ ناول نویس اپنی کوئی نئی دنیا نہیں بناتا بلکہ وہ ہماری ہی دنیا سے بحث کرتا ہے۔ جس میں خوشی ہو، غم ہو، نفرت بھی ہو، محبت بھی، زندگی بھی ہو، موت بھی، صاحب ثروت ہو تو غریب بھی۔ ناول نویس صرف خیالات کی دنیا میں محو سفر نہیں رہتا۔ اس کی کہانی کی بنیاد روزمرہ کی زندگی ہوتی ہے

بیسویں صدی کو الوداع کہ کر اکیسویں صدی کو خیر مقدم کرنے والے ناول نگاروں میں نئے اور پرانے چراغوں کا متحرک اور فعال قافلہ ہے جو اپنی منزل مقصود کی جانب پیہم رواں دواں ہے۔ جس میں نامور شخصیات مظہر الزماں، کوثر مظہری، فہمیدہ ریاض، انور سجاد، احمد داؤد، آغا سہیل، فخر زمان، طارق محمود، خالد سہیل، محسن علی، یعقوب یاور، الیاس احمد، احمد صغیر اور ظفر اللہ پوشنی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ظفر اللہ پوشنی نے راولپنڈی سازش کیس سے رہائی کے ایک طویل عرصے بعد کم و بیش ۷۵ برس کی عمر میں "دوڑ تا چلا گیا" کے عنوان سے ایک ناول تحریر کیا۔ یہ ناول انہوں نے تین سال میں مکمل کیا۔ اس ناول کو تحریر کرنے میں اتنی مدت کیوں لگی اس حوالے سے وہ اپنے ناول کے پیش لفظ میں کچھ یوں تحریر کرتے ہیں:

"اگر میں غم روزگار سے مبرا ہوتا تو شاید اس ناول کو چند ماہ میں مکمل کر لیتا، لیکن میں چونکہ پیٹ پالنے کے لیے ایڈورٹائزنگ کے شعبے سے ابھی تک منسلک ہوں اور آفس میں صبح و شام تک مغز ماری کرتا ہوں اس لیے ناول نویسی کے لیے وقت نکالنا میرے لیے کچھ آسان نہ تھا۔ چنانچہ اس

صحیفے کو مرتب کرنے میں مجھے تقریباً تین سال لگ گئے۔ بعض اوقات مہینوں تک ایک صفحہ لکھنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ صرف اتوار کو چھٹی کے روز مشق سخن ممکن ہوتی تھی۔ بہر کیف ''سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے'' کے مصداق کاوش جاری رہی اور بالآخر مسودہ پایہ تکمیل تک پہنچ ہی گیا۔''(3)

اعلیٰ متوسط طبقے کی کہانی پر مشتمل ظفراللہ پوشنی کا ناول ''دوڑ تا چلا گیا'' میں اقدار کے شیش محلوں کی پاسداری سے زیادہ ان کے چٹخنے کی آوازیں آتی ہیں۔ لیکن پڑھنے والے کو اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آواز شکست جام ہی نہیں بلکہ آواز شکست دل بھی ہے۔ اور یہی پاکستان کی کہانی ہے۔ اس کے کردار ناول کے ہیرو شوکت حسن ڈار کی زندگی میں دائرے کی شکل میں داخل ہوتے ہیں اور نکلتے رہتے ہیں۔ (ان میں اکثریت خواتین کی ہے) لیکن ان سب کا نہ صرف مرکزی کردار کے ساتھ تعلق کسی نہ کسی شکل میں قائم رہتا ہے بلکہ کئی مقامات پر قاری کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ کردار بڑی خاموشی سے اس کی اپنی زندگی میں در آئے ہیں۔ اگر کہیں اس تعلق میں مبالغہ محسوس ہو تو اسے مصنف کے تصور کی ضرورت سے زیادہ بلند پروازی سمجھ کر در گزر کیا جا سکتا ہے۔

بظاہر یہ ناول ایک کھاتے پیتے انسان کی زندگی کے گرد گھومتا ہے اور وہ بھی زیادہ تر اس حصے میں جب رخش عمر ڈھلوان پر رواں دواں ہے، لیکن صحت کی مناسب دیکھ بھال، باقاعدہ ورزش اور چھوٹی موٹی مکروہات جیسے سگریٹ نوشی اور شراب سے اجتناب کے سبب پاؤں بھی رکاب میں ہیں اور ہاتھ بھی باگ پر ہے۔ اسی لیے افراط زر وزن کے باوجود شوکت حسن ڈار معاشرے میں ایک ایسے فرد کے طور پر سامنے آتے ہیں جسے قیام پاکستان سے لے کر اگلی نصف صدی کا نمائندہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ شوکت حسن ڈار کے کردار اور ظفراللہ پوشنی کے درمیان بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔ خود ظفراللہ پوشنی کے بقول شوکت حسن ڈار اور ان میں یہ مماثلت ۷۰ فی صد تک ہے۔ مثال کے طور پر ان دونوں کا تعلق ایک کھاتے پیتے گھرانے سے ہے، دونوں فوجی ملازمت کر چکے ہیں، دونوں ایڈورٹائزنگ کی دنیا سے منسلک ہیں اور دونوں کی عمر بھی یکساں ہی ہے۔ اس حوالے سے خود ظفراللہ پوشنی اپنے ناول ''دوڑ تا چلا گیا'' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''۔۔۔ناول کے لیے تین اجزاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ اول تو لکھنے والا اپنی زندگی کے نشیب و فراز پر تکیہ کرتا ہے یعنی لکھنے والے کی زندگی ہی ناول کا پہلا ڈرافٹ ہے۔ دوسرا جرنلسٹ کی قوت مشاہدہ ہے یعنی جن شخصیتوں کو اس نے حقیقت کی دنیا میں دیکھا، پرکھا، سمجھا، ٹٹولا، انہیں وہ اکثر اپنے ناولوں کے کرداروں کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ البتہ وہ ان کرداروں کو اپنی کہانی کی ضرورت کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ تیسرا جزو ہے تصور کی پرواز یعنی اگر ناولسٹ میں خیال باندھنے کا فقدان ہے تو پھر تحریر میں چاشنی نہیں ہو گی۔''(4)

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ظفر اللہ پوشنی نے اس ناول کے ابواب کی تقسیم میں خاصی انفرادیت کا ثبوت دیا ہے اور اسے صرف دو حصوں میں بانٹا ہے۔ ''عمر رواں'' اور ''عمر رفتہ کو آواز'' اور یوں انہوں نے پاکستان کی ستاون سالہ زندگی کا بڑی خوبصورتی سے احاطہ کیا ہے۔ ناول کے مرکزی کردار شوکت حسن ڈار نے اپنا کیریئر فوجی زندگی میں کمیشن حاصل کر کے شروع کیا۔ یہ دوسری جنگ عظیم کے آخری دنوں اور غیر منقسم ہندوستان کی بات ہے۔ اسی دوران اس نے ایک اینگلو انڈین لڑکی سے ٹوٹ کر محبت کی ہی نہیں بلکہ شادی بھی کر لی۔ پھر وہ پاکستان چلا آیا۔ یہاں کچھ ہی عرصے بعد اس کے ذوق خامہ فرسائی کے سبب اسے فوجی ملازمت چھوڑنی پڑی اور اس نے ایک انگریزی روزنامے اور بعد ازاں ایک مقبول عام ہفت روزہ میں صحافی کی حیثیت سے اپنی زندگی کا بڑا حصہ گزارا۔ اور یوں ظفر اللہ پوشنی کے ناول کے مرکزی کردار شوکت حسن ڈار کے ذہن میں ان تمام سوالوں نے جنم لیا جو پاکستان کے روز اول سے آج یعنی ساٹھ، پینسٹھ برس تک ہر سوچنے والے کے ذہن میں اٹھتے رہتے ہیں۔ یہ سوالات صرف جنس، خاندانی رشتوں، جائیداد کے حصول اور مستقبل کو بہتر بنانے کی غرض سے کیے جانے والے اقدامات تک ہی محدود نہیں، یہ معاشرے کے ہر پہلو کا احاطہ کرتے ہیں۔ دولت کمانے کی بڑھتی ہوئی ہوس، جمہوری اصولوں کا فقدان، عدالتی نظام میں انتشار اور غریبوں کے مسائل سے بے اعتنائی۔ یہ تمام باتیں ناول کے تانے بانے میں سموئی ہوئی ملتی ہیں اور یہ اس کہانی کے محاسن میں سے ایک ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ یہ ناول شوکت حسن ڈار کی نہیں بلکہ ایک ملک، ایک معاشرے میں سرابوں کے پیچھے دوڑنے والوں کی نمائندگی کرتا ہے۔

ظفر اللہ پوشنی ایک اعتدال پسند اور روشن خیال انسان ہیں۔ وہ مذہبی تفرقات کو بڑھاوا دینے اور انتہا پسندی کے شدید مخالف ہیں۔ ان کا تعلق ترقی پسند مصنفین میں سے ہے جنہوں نے ہمیشہ انتہا پسندی اور عدم برداشت کے خلاف قلم اٹھایا ہے۔ وہ مذہب کے نام لیوا ٹھیکیداروں سے بھی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے ناول میں ان کی اس سوچ کا واضح اظہار ملتا ہے۔

''ملا بدبخت ملا ہی رہتا ہے چاہے کتنا ہی رواداری کا لبادہ اوڑھ کر پھرے۔''(5)

ظفر اللہ پوشنی ان مذہبی بنیاد پرستوں کی تنگ نظری کے سخت مخالف ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نام نہاد مذہب کے مالکان اسلام کا صحیح رخ پیش نہیں کرتے بلکہ یہ تو دنیا میں اسلام کا چہرہ مسخ کرنے کے درپے ہیں۔

> ''قدغن لگانے کا ٹھیکہ بعض مذہبی بنیاد پرستوں نے لے لیا ہے جس کا حتمی مظاہرہ ہمارا ہمسایہ ملک افغانستان کر رہا ہے۔ مجسموں کو توپوں کے گولوں سے اڑا دو، اقلیتوں کو مخصوص لباس پہننے پر مجبور کرو، عورتوں کو تقریباً نظر بند رکھو، مردوں کی داڑھیوں کی پیمائش کرو اور اگر چھوٹی ہو تو قید کرو، نیکر پہن کر کھیلنے والی ٹیم کے کھلاڑیوں کو سزا دو اور ان کے سر کے بال مونڈ دو۔ مجھے کوئی بتائے یہ کس دور کے لوگ ہیں؟ یہ کس زمانے میں بس رہے ہیں؟ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ہمارے ملک

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

میں بہت پڑھے لکھے لوگ ملتے ہیں جو طالبان حکومت کی پالیسیوں کی تعریف کرتے ہیں۔ رونا آتا ہے۔"(6)

ظفر اللہ پوشنی ایک اعلیٰ تخلیقار و معاشرتی نقاد کے روپ میں اس طبقے کو الگ کر دیتے ہیں جو کہنے اور کرنے میں فرق رکھتے ہیں، بہت واضح کر دیتے ہیں کہ وہ لوگ ہیں جو خود اپنی کہی ہوئی بات پر عمل تو نہیں کرتے لیکن باقی تمام دنیا کو اس کی پابندی کرانا لازمی جانتے ہیں اس کا رد عمل کیا ہوتا ہے اور معاشرہ کس طرح اس کو بھگتا ہے اس ساری طویل کہانی کے لیے آپ اپنے جملوں کا ایسا انتخاب کرتے ہیں کہ جہاں آپ کا جملہ ختم ہوتا ہے وہاں سے خود بخود قاری کا ذہنی سفر کا آغاز ہو جاتا ہے۔

"لوگوں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت کی پالیسی پر عمل کرنے سے منافقت پیدا ہوتی ہے۔ جس بات پر آپ ساری دنیا کو سرزنش کرتے ہیں اور ہر گنہگار کو کوڑے مارنے یا سنگسار کرنے کی دھمکیاں دیتے ہیں وہی عمل آپ پردے کے پیچھے سرانجام دینے میں ذرا نہیں ہچکچاتے۔"(7)

ظفر اللہ پوشنی کے ہاں تحریر میں فطری انداز ملتا ہے۔ جو کہ ناول کو حقیقت نگاری کے زیادہ قریب کر دیتا ہے۔ پوشنی صاحب کے ناول میں سیاسی، سماجی اور تہذیبی زندگی کے عناصر بھرپور نظر آتے ہیں۔ پوشنی کے ناول میں علامتی یا استعاراتی پیچیدگی کم ہی نظر آتی ہے بلکہ دیکھا جائے تو ان کے ناول کا ایسا رواں دواں بیانیہ جس میں مختلف کردار انتہائی سادگی سے اپنا کام انجام دیتے نظر آتے ہیں اور یہ رویہ قاری کو اختتام تک اپنی گرفت میں لیے رہتا ہے۔ آپ کی کہانی کے بیشتر کردار یا تو ہمارے آس پاس سے ٹوٹتے بکھرتے ماحول کی عکاسی کرتے ہیں یا پھر ماضی قریب کی ان تاریخی سچائیوں سے عبارت ہوتے ہیں جن کے نقوش کو وقت کی کج رفتاری نے پوری طرح گرد آلود نہیں کیا ہے۔

ظفر اللہ پوشنی کے ناول کا موضوع عام انسانی زندگی ہے اس لیے اس میں قاری کی دلچسپی بھی ہے اور تجسس بھی۔ پوشنی صاحب نے اپنے ناول میں فنی اصول کا خاص خیال رکھا ہے۔ اردو ادب کے ناقدوں اور ادیبوں کی رائے حق بجانب ہے کہ ایک اچھا ناول نگار ناول تخلیق کرتے وقت فنی اصول کا بہت خیال رکھتا ہے اور ہر ناول نگار فنی آہنگ کو اپنے ناولوں میں اپنے اپنے طور پر مختلف طریقوں سے نبھاتا ہے۔ اس اعتبار سے پوشنی صاحب اپنے آپ میں مکمل ہیں۔ ناول میں واحد متکلم کا استعمال قاری کی توجہ کا مرکز بنتا ہے جس سے یوں لگتا ہے کہ ظفر اللہ پوشنی کی ذات اس ناول میں شوکت حسن ڈار کی شکل میں موجود ہے۔

ناول "دوڑتا چلا گیا" میں تحریک پاکستان، ہجرت، قیام، پاکستان اور اس کے بعد کے ماحول کو بڑی باریک بینی اور قریب سے دیکھا گیا ہے۔ ظفر اللہ پوشنی کی زبان میں سادگی و بلاغت دھیمہ پن وشدت جذبات ایک ساتھ چلتے ہیں۔ آپ نے زندگی کے بدلتے رنگوں کو قریب سے دیکھا اور یہی بدلتے رنگ آپ کی تحریر میں دلکشی اور جاذبیت پیدا کرتے ہیں۔ آپ کی تحریر کے پس منظر میں آپ کا اپنا چہرا جھانکتا ہے۔ آپ کے ناول میں آپ بیتی اور حقیقت نگاری واضح طور پر نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریر میں حقیقی رنگ، معاشرتی بدلتے رویے، تہ در تہ چھپے حقائق واضح دکھائی دیتے ہیں اور ان کو پیش کرنے کی جو صلاحیتیں آپ کے ہاں ملتی ہیں دراصل وہ ہی ہمیشہ اعلیٰ ادب کا ورثہ رہی ہیں۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

حوالہ جات

1۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو، کراچی، 1985، ص405
2۔ سید عابد علی عابد، اصول انتقاد ادبیات، مکتبہ مجلس ترقی ادب، لاہور، س۔ن، ص498
3۔ ظفر اللہ پوشنی، دوڑ تا چلا گیا، پرویز ہاشمی، کراچی، 2008، ص17
4۔ ظفر اللہ پوشنی، دوڑ تا چلا گیا، پرویز ہاشمی، کراچی، 2008، ص1
5۔ ظفر اللہ پوشنی، دوڑ تا چلا گیا، پرویز ہاشمی، کراچی، 2008، ص26
6۔ ظفر اللہ پوشنی، دوڑ تا چلا گیا، پرویز ہاشمی، کراچی، 2008، ص36
7۔ ظفر اللہ پوشنی، دوڑ تا چلا گیا، پرویز ہاشمی، کراچی، 2008، ص86